ڈاکٹر ہند عبد الحلیم محفوظ

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہء اردو الازہر یونی ورسٹی، مصر

"کتاب نامہ" کا فکری و فنی مطالعہ

Dr. Hind Abdul Haleem Mahfooz
Associate Professor, Department of Urdu, Al-Azhar University, Egypt

"Thoughtful and artistic study of "Kitab Nama

In the decade of 80s among those who excelled in the arena of poetry, criticism and research, one prominent name is of Dr. Arshad Mahmood Nashad. His book "Kitab Naama" is that kind of his poetic creation which reflects the importance and multiple qualities of a book in an impressive and attractive style and revives the tradition of love for book on the pattern of masnavi. In the article under review we have tried to explore the range of his poetic plus points collected in the form of "Kitab Naama" .Although "kitab Naama" is a short book yet the poet has skillfully rendered the story of the rise and the fall of the book. Alongside the aesthetic mention of book lovers from northern and southern hemisphere, there is a description of those cities as well that are renowned all over the world for their libraries. Moreover, different processes and stages of printing, decorating and publishing of books have also been brought forth. The greatest merit of the book is continuity and beauty of expression. The story of the book is told through first person narrative which is an evidence of poet's skill and craft. In this article, alongside highlighting the thematic angles of "kitab Naama" different aspects of the poet's artistic skill is also brought forth.

مثنوی اردو کی قدیم صنفِ سخن ہے۔ یہ اپنے دامن کی کشادگی اور ظرف کی وسعت کے باعث طول طویل قصوں اور حکایات عشق و محبت کے لیے مناسب اور موزوں قالب رکھتی ہے۔ کئی دوسری اصناف شعر کی طرح مثنوی بھی فارسی سے اردو میں آئی۔ فارسی میں مثنوی کا موضوعاتی دائرہ

نہایت وسعت کا حامل ہے۔ عشق و محبت، پند و موعظت اور اخلاق و تربیت کے موضوعات پر قادر الکلام فارسی شعرا نے لازوال مثنویات تخلیق کی ہیں۔ اردو میں بھی اگرچہ اس کی شان دار اور درخشاں روایت موجود ہے، تاہم اس کا موضوعاتی دائرہ فارسی کی طرح کشادہ نہیں۔ اردو میں یہ صنف عام طور پر عشق و محبت کے قصوں کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ بعض اصلاحی اور فکری مثنویاں بھی ملتی نہیں مگر ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اردو کی اہم ترین مثنویوں میں میر تقی میر کی "خواب و خیال"، میر حسن کی "سحر البیان"، دیا شنکر نسیم کی "گلزار نسیم"، مرزا شوق کی "زہر عشق" اور علامہ اقبال کی "ساقی نامہ" شامل ہیں۔

اردو کے دکنی دور میں اس صنف کو باقی اصناف پر فوقیت اور تقدم حاصل رہا مگر بعد میں آہستہ آہستہ یہ صنف مرکزی حیثیت دے دور ہوتی چلی گئی اور بیسویں صدی کے ربع آخر میں تو اس کا چلن بہت کم ہو گیا۔ مثنوی کی گم ہوتی روایت میں ایک بہت اہم فکری اور اہمیت کے حامل موضوع کے ساتھ "کتاب نامہ" کی اشاعت نہایت خوش آئند ہے۔ یہ مثنوی اگرچہ بہت مختصر ہے مگر اس کا موضوع بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ شاعر نے خلاقیت اور مہارت کے ساتھ کتاب کی صدیوں پر پھیلی ہوئی داستان کو سمیٹا ہے۔

"کتاب نامہ" کے تخلیق کار پاکستان کے معروف شاعر، محقق اور ادبیات اردو کے استاد ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد ہیں[i]۔

اگرچہ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، یہ مثنوی "کتاب نامہ" ان کی شہکار اردو مثنوی ہے۔ اس کا موضوع اچھوتا بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔ شاعر نے نہایت دل چسپ پیرائے میں کتاب کے عروج وزوال کی داستان کو خود کتاب کی زبانی پیش کیا ہے۔ کتاب کے ساتھ شاعری کا گہرا تعلق اور کتاب کلچر کے ساتھ اس کی والہانہ وابستگی اس تخلیق کا محرک بنی ہے۔

اردو ادب میں اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ پہلی تخلیق ہے۔ ارشد محمود ناشاد کے خیال میں معاشرے کے زوال کا سب سے اہم سبب کتاب سے دوری اور بیگانگی ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کی دنیا میں پھیلتے ہوئے مسائل پر جب نگاہ کرتے ہیں تو انھیں اس بات کا احساس زیادہ شدت کے ساتھ ہوتا ہے اور

وہ کتاب کلچر کے احیا کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے "کتاب نامہ" کے آغاز میں اس تخلیق کی غرض وغایت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"کتاب سے گریز پائی اور بے گانگی روز بہ روز بڑھنے لگی ہے۔ طلبہ، اساتذہ اور عام افراد معاشرہ سب اس کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ تعلیمی اداروں، مدارس ومکاتب، کتب خانوں اور گھروں کا ماحول بدلنے لگا ہے۔ جدید سائنسی آلات کے استعمال کا جنون نئی نسلوں کو اپنے تہذیبی اور علمی ورثے سے دور کرتا جاتا ہے۔ ان حالات میں لازم ہے کہ مٹتے ہوئے کتاب کلچر کو زندہ رکھنے کی ہر ممکن سعی کی جائے"[ii]

"کتاب نامہ" ایک سو اڑتالیس اشعار پر مبنی ہے۔ یہ اشعار موضوع کی گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے بحر بے کراں کی سی وسعت کے حامل ہیں۔ انچاس اشعار مردف ہیں اور ننانوے غیر مردف۔ گویا ڈاکٹر صاحب کی جولانی طبع نے غیر مردف اشعار کو زیادہ فوقیت دی۔ اشعار کے ساتھ ساتھ تصویری خاکے بھی قابل توجہ ہیں جو نہ صرف کتاب کی طباعت میں جاذبیت کا باعث ہیں بل کہ علم کے نور سے بھی قاری کو وشن کرتے ہیں۔

"کتاب نامہ" کا آغاز مثنوی کی روایت کے مطابق حمد ونعت سے ہوتا ہے۔ حمد کے چار اور نعت کے دو اشعار، اگرچہ تعداد کم ہیں مگر جذبے کی بیکرانی اور مؤدت کے رنگ نے ان کے اندر وہ تاثیر بھر دی ہے کہ ہر قاری کے دل ونگاہ میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ پہلے چار اشعار میں اللہ عز وجل کی عظمت، اس کی قدرت اور کاری گری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پہلا شعر کچھ یوں ہے:

کروں پہلے توصیف رب جہاں
کیے خلق جس نے یہ کون ومکاں[iii]

دیگر اشعار میں اللہ تعالی کی صناعت، اس کی بے مثل نقاشی اور یکتا ہونے کا احساس جاگزیں ہے۔ اس کے بعد حسب روایت ہادی عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں دو اشعار لکھے گئے ہیں:

پڑھوں پھر محمد پہ بے حد درود
مبارک، معطر، منور، وجود

سبھی جن کی خاطر یہ بزم جہاں
ہوئیں جن کے باعث یہ صناعیاں [iv]

شاعر نے، اس کے بعد قدیم مثنویوں کے انداز کے مطابق ساقی سے "مئے لالہ فام" طلب کی گئی ہے تا کہ حسن کلام مزید رنگیں اور پر کیف ہو جائے:

پلا ساقیا پھر مئے لالہ فام
کہ رنگیں ہو جائے حسن کلام [v]

یہ خطابیہ شعر ایک طرح سے "گریز" کا فرض نبھاتا ہے کہ اس کے بعد کتاب اپنی داستان آغاز کر دیتی ہے۔ کتاب اپنی ابتدا کا سلسلہ خالق ارض و سما سے ملاتی ہے اور اپنی اس سعادت و فضیلت پر افتخار کرتی ہے کہ سب سے پہلے کتاب کی تخلیق اللہ تعالی نے کی اور اس نے اپنے اس پاکیزہ کلام کو خلق خدا کی رہنمائی اور رہبری کے لیے اپنے چنیدہ اور برگزیدہ انبیائے کرام علیہم السلام پر صحائف کی صورت میں نازل کیا۔ یوں کتاب اپنے توریت، زبور، انجیل اور قرآن ہونے پر فخر کرتی ہے کہ میں جب ان صحائف کی شکل و صورت میں اتری تو خلق خدا نے مجھے عزت و توقیر دی، میں نے ان کی اس تکریم کے باعث انھیں زندگی گزارنے کے اصول اور طریقے بتا کر ان کی زندگی کو انوار سے بھر دیا۔ ان مقدس آسمانی صحائف سے گزر کر وہ وید، گیتا اور گرنتھ ہونے پر بھی افتخار کرتی ہے کیونکہ ان کتابوں سے بھی خلق خدا نے پیار کیا اور ان کتابوں کی تعلیمات نے اس کی زندگی پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب کیے۔ کتاب کا یہ کہنا حقیقت ہے کہ ہر دور میں انسانوں کی رہنمائی اور سمت نمائی کا کام اس نے کیا، یوں وہ بجا طور پر اپنے آپ کا حکمت و معرفت کا گنجینہ خیال کرتی ہے اور اس کا یہ دعوی بے محل نہیں رہتا، وہ فخر سے کہتی ہے:

میں حسن حقیقت کی ایجاد ہوں
میں سارے زمانوں کی استاد ہوں [vi]

آسمانی صحائف اور مذہبی کتابوں کو عالم انساں میں عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کی روشنی سے انسانی معاشروں کو اجالنے اور روشن کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ کتاب تمام طبقات انسانی کی بنیادی ضرورت بن گئی۔ اس سے چھوٹے بڑے اور امیر و غریب سب وابستہ ہو گئے، جس کی وجہ سے گھر گھر میں کتاب دوستی کی روایت آغاز ہوئی۔ شہروں اور بستیوں میں اس کا فیضان عام ہوا تو معاشرتی زندگی کا نصیب چمک اٹھا۔ کتاب وفور مسرت میں اپنی پذیرائی کے اس زمانے کا تفصیل سے ذکر کرتی ہے کہ میں معاشرے کے تمام طبقوں کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ کتاب یوں اپنے تابندہ ماضی کا ذکر کرتے ہوئے آہ بھر کر اپنی ضوفشانی اور نور افروزی کو موضوع بحث بناتی ہے، وہ کہتی ہے۔

مرے دم سے تھیں بستیاں تاب دار
مرے نور سے ضوفشاں تھے دیار
مرے دم سے روشن تھا سارا جہاں
مرے دم سے تھی قصر شاہی کی شان [vii]

اور کتاب نویسی کے لیے جو ذرائع استعمال ہوتے ہیں ان کے ذکر کے ساتھ تصویری خاکے قابل دید ہیں۔ کبھی مجھے ہڈیوں پر لکھا گیا، کبھی درختوں کی چھال پر، کبھی میرے لیے مٹی کی لوحیں تیار کی گئیں تو کبھی جانوروں کے چمڑے کو استعمال کیا گیا۔ کبھی چاندی اور سونے کے پانی سے مجھے لکھا گیا تو کبھی میرے اوراق کی تزئین و آرائش میں ہنر اور مہارت صرف کی گئی۔ انسانوں کی ان کوششوں نے میرے سراپے کو رعنائی اور دل پذیری عطا کی، اس شعر میں کچھ یوں بیان کیا گیا:

کبھی مجھ کو لکھا گیا کھال پر
کبھی چوب پر اور کبھی چھال پر
کبھی ہڈیاں میرا مسطر ہوئیں
کبھی تختیاں میرا بستر ہوئیں
کبھی سیم سے مری صورت سجی

کبھی میں رقم آب زر سے ہوئی[viii]

بعد از اں، کتاب بیان کرتی ہے کہ مجھے لکھنے کے لیے انسانوں نے طرح طرح کے خط ایجاد کیے۔ یوں میرے لفظوں کو کبھی نسخ، کبھی نستعلیق، کبھی شکستہ، کبھی حجازی، کبھی ثلث، کبھی دیوانی اور دوسرے آرائشی خطوط میں لکھا گیا۔

حجازی نے کی میری صورت گری
کبھی نسخ نے میری تہذیب کی
کبھی خط کوفی نے بخشا وقار
کہ دی میرے حرفوں کی صورت سنوار
ثلث نے دیا مجھ کو ایسا جمال
ہوئی روح الفاظ جس سے نہال[ix]

کتابت اور مصوری کے فن کے اسرار و رموز جاننے والوں نے اپنی قدرت اور کاری گری کے تمام رنگ مجھ پر نثار کر کے میرے وجود کو خوب صورتی عطا کی۔ ان کی سعی و کوشش اور محبت و ارادت نے مجھے معاشرے میں توقیر عطا کی۔ جگہ جگہ لائبریریاں اور کتب خانے وجود میں آ گئے اور شہر شہر میں میری قدر دانی ہونے لگی۔ میری وجہ سے ان شہروں کو بھی دنیا میں عزت اور سرافرازی نصیب ہوئی۔ بخارا، بصرہ، بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ، لاہور، دہلی، اصفہان اور دوسری بستیاں عالموں اور طالب علموں سے سج گئیں اور جا بہ جا میرا ذکر ہونے لگا۔

بخارا مرے دم سے تھا معتبر
مرے دم سے بصرہ تھا شہر ہنر
مرے دم سے شیراز تھا دار علم
مرے دم سے تھا قم نگہدار علم
مرے دم سے روشن ہوا قرطبہ

مرے دم سے چمکا ہے اشبیلیہ

مرے دم سے مشہور تھا اصفہان

مرے دم سے قائم تھی دلی کی شان

مرے دم سے تابندہ بغداد تھا

مرے دم سے لاہور آباد تھا[x]

کتاب اپنی عظمت و رفعت کا ذکر کرتے کرتے اپنی تکلیف اور پریشانی کے زمانے کو بھی یاد کرنے لگی۔ اس نے ان ظالموں اور مفسدوں کا پردہ چاک کیا ہے کہ جنھوں نے حکمرانی اور طاقت کے نشے میں مغرور اور مست ہو کر کتب خانوں کو جلا ڈالا یا اپنی نادانی کے سبب کتابوں کے ذخیرے دریاؤں میں بہادیے۔

کبھی ظلم بھی مجھ پہ ڈھائے گئے

مرے گھر گرائے، جلا گئے

جہالت تھی جن کے سروں پر سوار

انھوں نے ستایا مجھے بار بار[xi]

کتاب ان کے ظلم و بربریت کا ذکر کرتے ہوئے بجا طور پر یہ نتیجہ مرتب کرتی ہے کہ ان ظالموں کا غرور و تکبر خاک میں ملا اور آج ان کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں:

رہا ان کا باقی نہ نام و نشان

مرا اب بھی ہے نام لیوا جہاں[xii]

جب کہ کتاب کو عزت و تکریم دینے والے ارباب فکر و فن کا تذکرہ تفصیلا کیا گیا۔ سلسلہء گفتار ارسطو، فلاطون، ورجل اور ہومر کے ذوق نمو کو پیش کر کے جوئے آب علم کا رخ مغرب سے مشرق کی جانب موڑا۔ رومی، سعدی، قدسی اور بیدل کے حیات بخش زمزموں سے قاری کو روشناس کرواتے ہوئے سنائی، غزالی کے بصیرت افروز اقوال کا سلسلہ سخن دراز کیا گیا۔ بعد از اں بابا فرید اور وارث کی نغمہ سنجی اور حکمت کے گنجینے کی میراث کو بیان کیا گیا۔ اسی دوران میں خسرو اور گوئٹے کا ذکر

ترتیب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کیونکہ گوئٹے کے بعد شاعر کا تخیل ایک بار پھر کروٹ بدل کر بھٹائی کی شاعری کا تذکرہ کرنے لگتا ہے۔ یہ سلسلہ آگے بڑھ کر بلوچ حق پرستوں کی جانب پرواز کرتا ہے اور رحمان بابا، خوش حال خان خٹک کی کتاب دوستی کے اظہار پر رکتا ہے

مفکر، محقق مرے قدرداں
معلم، مدرس مرے مدح خواں
مفسر، محدث، ادب کے امام
کیا سب نے دل سے مرا احترام
مجھے شاعروں سے محبت ملی
ادیبوں سے میری رہی دوستی[xiii]
وہ رومی وہ سعدی مرے راز داں
وہ قدسی وہ بیدل مرے نغمہ خواں
سنائی سے صحبت رہی ہے مری
غزالی سے قربت رہی ہے مری
جسے خلق کہتی ہے بابا فرید
وہ شیخ زمانہ تھا میرا مرید[xiv]

شاعر کا تخیل ایک بار پھر مغرب کی جانب پر تولتا ہے اور چشم تخیل ملٹن، ورڈزورتھ، کٹیس، ہارڈی اور ییٹس کی کتب شناسی کا احاطہ کرتی ہے اور چشم زدن میں مشرق میں غالب، اقبال، ٹیگور کو منبع علم و دانش قرار دیتا ہے جن کا سینہ گنجینۂ معارف اور دامن متاع ہنر سے مالا مال ہے۔ اور اسی کتاب دوستی کے باعث ان کا نام زمانے کی لوح پر ثبت ہوا اور ان کے فیضان علمی سے ہزاروں افراد نے کسب فیض کیا۔ وہ اس بات وضاحت کرتی ہے:

غرض علم و دانش کے سب آفتاب
مری روشنی سے ہوئے فیض یاب

معارف سے معمور سینہ مرا
متاع ہنر ہے خزینہ مرا[xv]

کتاب کہانی کا وہ منظر بہت دل کش اور جاذب نگاہ ہے جہاں کتاب اپنے فیوضات اور برکات کا ذکر کرتی ہے اور انسانی معاشرے پر اس نے جو گہرے اور دوررس اثرات مرتب کیے، ان کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

سفیر محبت ہوں میں برملا
دیے میں نے دل دشمنوں کے ملا
مرے دم سے پھیلے محبت کے رنگ
مرے فیض سے ختم صدیوں کی جنگ
میں کرتی ہوں سینوں کو نفرت سے پاک
لباس عداوت مرے دم سے چاک
سکھاتی ہوں میں زندگی کے اصول
مرے دم سے ہے رحمتوں کا نزول[xvi]

کتاب نامے کا آخری حصہ آج کے زمانے کے کتاب کلچر کے انحطاط کی تصویر پیش کرتا ہے۔ مدارس، مکاتب اور مساجد کی ویرانی، کتب خانوں اور لائبریریوں سے طالب علموں کی گریز پائی اور سماج میں کتاب دوستی کے زوال کے سبب جنم لینے والے مسائل کی تصویریں نہایت عمدگی کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

تغیر نشاں ہے زمانے کا رنگ
بدلنے لگا زندگانی کا ڈھنگ
پرانے قوانین بدلنے لگے
دساتیر و آئیں بدلنے لگے
کتب خانے ویران ہونے لگے

مدارس بیابان ہونے لگے

گریزاں ہوئیں مجھ سے نسلیں نئی

ضرورت نہیں کیا انھیں اب مری؟[xvii]

آخر میں کتاب اپنی کہانی کو اس پیغام پر ختم کرتی ہے کہ اگر معاشرہ امن و آشتی اور عروج و کمال کا خواہاں ہے تو طاق نسیاں میں دھری کتاب سے اسے پھر رجوع کرنا پڑے گا کیوں کہ کتاب دوستی کے بغیر اس ذلت و نکبت سے نجات ممکن نہیں۔

مجھے طاق نسیاں پہ سب نے دھرا

یہ ذلت یہ نکبت ہے اس کی سزا

مری دوستی ہے نقیب کمال

مری روشنی ہے علاج زوال

مرے سائے سے جو بھی محروم ہے

زمانے کے منظر سے معدوم ہے[xviii]

کیونکہ جو بھی اس سائے سے محروم ہو گیا، کامیابی اس سے روٹھ گئی۔ یہ مزاجوں کو تعمیر کرنے والی، دماغوں کی تطہیر کرنے والی ہے اور جوہر سے معمور مخزن اور مہکتا ہوا گلشن اس کی ذات میں پنہاں ہے۔ تخلیق انسانی کے ساتھ ہی اس کی تخلیق کا آغاز ہوا اور یہ باعث قصر خلافت ٹھہری۔ آخری شعر بہت بصیرت افروز ہے:

نگاہ خبردار! ہوشیار ہو

دل زندہ! آمادہ کار ہو[xix]

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے کتاب کی صدیوں پر پھیلی داستان کو نہایت جامعیت اور اختصار کے ساتھ لباس شعر میں ڈھال کر ہنر آشنائی اور قدرت کلام کا ثبوت دیا ہے۔ کہانی کا تسلسل، مختلف مناظر کی تفصیلات، جزئیات نگاری اور عہد بہ عہد کی صورت حال پڑھنے والوں کو اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہے اور کہیں بھی اکتاہٹ یا بوجھل پن کا احساس جنم نہیں لیتا۔ لفظیات کے چناؤ اور ترکیب سازی میں بھی

ڈاکٹر ناشاد نے اپنی فنی بصیرت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ قوافی کا برجستہ اور بر محل استعمال زور کلام کو کہیں کم نہیں ہونے دیتا۔ صنائع لفظی اور معنوی کے حسن کارانہ استعمال نے اس کی زیب وزینت میں اضافہ کیا ہے۔ کتاب نامہ میں بیسیوں شہروں، کتابوں، عالموں اور شاعروں کے نام نظم ہوئے ہیں مگر مثنوی کی موسیقیت اور نغمگیت پر کہیں بھی اثر نہیں پڑا۔ مصرع مصرع تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے اور شعروں میں ربط وتسلسل نے کہانی کی فضا کو قائم رکھا ہے۔ اختصار اور اجمال کے باوجود تمام مناظر روشن اور واضح ہیں۔ کتاب نامہ کو اگر ایک کامیاب شعری تجربہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ یہ مثنوی اپنے فکری اور فنی اوصاف کے باعث ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

حوالہ جات

[i] ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، ان کا تخلص ناشاد ہیں، پیدائش 1970ء، وہ پچیس سال سے شعبہء تعلیم کے ساتھ وابستہ ہیں اور آج کل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں اردو کی تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ شاعری، تحقیق، تدوین، ترتیب اور تراجم کے شعبوں میں ان کی تیس سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے سو سے زیادہ تحقیقی مقالات قومی اور بین الاقومی جرائد ورسائل میں چھپ چکے ہیں۔ ان کی نگرانی میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تیس سے زائد ریسرچ اسکالر اپنے مقالات لکھ کر ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں- ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی علمی، تحقیقی اور شعری خدمات کے اعتراف میں انھیں کئی اداروں نے انعامات اور اعزازات سے نوازا اور کئی جامعات میں ان کی علمی وادبی خدمات پر تحقیق کا کام ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر ارشد ناشاد کی چند اہم کتابوں کے نام ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

- آغوشِ گل (شاعری):1990ء
- مقالاتِ برق (ترتیب):1991ء
- ابھی تک تم نہیں سمجھے (شاعری):1992ء
- ضلع اٹک دے پنجابی شاعر (تحقیق):1995ء
- اشوک (ترجمہ وتہذیب کلام بابا فرید):1999ء

- اٹک کے اہلِ قلم (ترتیب):2000ء
- یادگار احمد بخش برنگ (ترتیب):2004ء
- چھاچھی بولی۔لسانی وادبی جائزہ:2004ء
- اردو غزل کا تکنیکی، ہیئتی اور عروضی سفر:2008ء
- مکاتیب رشید حسن خاں بہ نام ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (حواشی و تعلیقات):2008ء
- رنگ (شاعری):2009ء
- آپنا گراں ہووے (لوک ادب):2009ء
- تذکرۂ علما (تدوین و تحشیہ):2011ء
- اطرافِ تحقیق (مقالات):2012ء
- گیان نامے (تہذیب و تحشیہ):2013ء
- مکاتیبِ آرزو (تہذیب و تحشیہ):2013ء
- اصناف ادب: تفہیم و تعبیر:2014ء
- بادۂ ناخوردہ (تدوین و تقدیم):2015ء
- انتخاب کلام میر (انتخاب و تقدیم):2015ء
- کتاب نامہ (شاعری):2016ء
- جادۂ تحقیق (تحقیقی مضامین):2016ء
- انتخاب کلامِ حالی (انتخاب مع مقدمہ):2016ء
- کتب خانہ مولانا محمد علی لکھڈی دے پنجابی خطی نسخے (کیفیت نگاری):2016ء
- اشلوک (انتخاب مع ترجمہ):2017ء
- سیر سوات (تدوین و تحشیہ):2019ء
- انتخابِ کلام شاہ نصیر (انتخاب):2019ء
- تدریسِ علوم شعریہ (تدوین و تہذیب):2020ء
- آثارِ تحقیق (تحقیقی مضامین):2021ء
- امان اللغات (تدوین):2021ء
- ٹُڈھلی پنجابی گرامر:2021ء

---

ii۔ طلوع مشمولہ کتاب نامہ، ارشد محمود ناشاد (ڈاکٹر)، سرمد اکادمی، اٹک، اشاعت دوم 2018ء، ص10

iii ۔ کتاب نامہ، ارشد محمود ناشاد (ڈاکٹر)، ص27

iv ۔کتاب نامہ، ص28

v ۔ایضاً، ص28

vi ۔کتاب نامہ، ص33

vii ۔ کتاب نامہ، ص33

viii ۔ارشد محمود ناشاد، ص34

ix ۔ایضاً، ص35

x ۔کتاب نامہ، ص40

xi ۔ایضاً، ص41

xii ۔ایضاً، 42

xiii ۔کتاب نامہ، ص42

xiv ۔کتاب نامہ، ص43

xv ۔ایضاً، ص46

xvi ۔کتاب نامہ، ص50

xvii ۔کتاب نامہ، ص53،54

xviii ۔ایضاً، ص56

xix ۔ایضاً، ص57